Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 136 - 166

مغلیہ دور حکومت میں علوم دینیہ کی تدریس کا اہتمام: ایک تجزیاتی مطالعہ

Arrangement of Religious Education in Mughal Empire: An Analytical Study

Rehana Kanwal*, Irshadullah[1]**

*M. Phil Scholar, Department of Islamic studies, National College of Business Administration and Economics Lahore
**Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University D.I. Khan

Keywords:

Muslim, Education, Religious, *Islam*, Curriculum, Mosque

Abstract: Muslims in the Subcontinent were strongly believed on religious education. It was considered mandatory for spiritually life here in this world and hereafter. This article defines the word "Education" and explains the importance of education in Islam. It discusses the system of Muslim religious education particularly focusing on its objectives and curriculum and the role of Mosque in it during the Muslim Empire in the Subcontinent. The trends of Muslim Education during the reigns of Mughal Empire are discussed in detail with all the famous Masājid (mosques), schools, centers of learning, pieces of writing and scholars of those eras. With the coming of the Mughals, educational and cultural activities received great fillip. Babur, the first Mughal ruler, was a man of literary taste and possessed perfect knowledge of Persian, Arabic and Turkish. His memoirs, is a work of great literary importance. *Hamayun* (1530—1556 A.D.) was also a great scholar. He was fond of the company of scholars and spent lot of time in scholarly pursuits. Akbar, the great Mughal ruler, showed much greater interest in education. During his reign, subjects like philosophy, history, literature and arts made tremendous progress. He introduced certain changes in the existing curriculum of subjects like logic, arithmetic's, astronomy, accountancy and agriculture etc. were included in studies. *Shāh Jahān* was an educated person and gave great encouragement to scholars and spread of education. *Aurangzeb*, the last great Mughal Emperor, was also educated and had love for education.

Kanwal, R. and Irshadullah. (2020). Arrangement of Religious Education in Mughal Empire: An Analytical Study. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *136 – 166*.

© 2020 AUJIS. All rightsreserved

KAUJIE Classification: S0, S7
JEL Classification: H75, I22, I28, I29

1. Corresponding author, Email: irshadullah7850@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک فرد اور ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کو زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی، ذہنی اور فکری ورثے کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرتی ہے۔ تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے۔ کسی قوم کا تعلیمی نظام اُس کے دین، مذہب، معاشرتی حالات اور وقت کے تقاضوں کی روشنی میں فروغ پاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کا نظام بھی اسی طریق پر پروان چڑھا۔ برصغیر پاک و ہند میں (۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک) تین سو اکتیس سال تک مغلیہ عہد حکومت رہا۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک یہ حکومت عروج و زوال کے تمام مراحل طے کر چکی تھی۔ مغلیہ حکومت کے نامور حکمران بابر، ہمایوں، شیر شاہ سوری، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر تھے۔ مغلیہ حکمران اکبر کی بے دین تحریک کے خلاف شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء تا ۱۶۲۴ء) کا کام قابل تعریف ہے۔ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے تجدید و احیاء دین کے لیے کام کیا۔ اسلامی حکمت و فلسفہ پر کتابیں لکھیں اور صحاح ستہ کی درس و تدریس کا آغاز کیا۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد "**برصغیر پاک و ہند میں مسلم اور برطانوی سامراج کے دوران تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ**" کرنا ہے تاکہ برصغیر کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کے رجحانات سے آگاہی حاصل کی جاسکے، اسلامی تہذیب و ثقافت اور اس کی نمایاں خصوصیات اور اس کے مثبت اثرات کی نشاندہی کی جاسکے، مغلیہ حکومت کے دوران مقاصد تعلیم، نصاب تعلیم، طریقۂ تدریس اور اس کے اثرات کا مطالعہ کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت اور ان کے عروج و زوال پر روشنی ڈالی جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر میں پاکستان میں دی جانے والے تعلیم کی اصلاح کے لیے تجاویز دینا بھی اس مقالے کے مقاصد میں شامل ہے۔

تعلیم کا معنی و مفہوم

اپنی اصل کے اعتبار سے تعلیم لفظ "علم" سے ماخوذ ہے۔ علم کے معنی کسی چیز کو جاننا یا حقیقت کا ادراک کرنا ہے۔ اور "تعلیم" کا لغوی مطلب ہے سکھانا، پڑھانا، تربیت دینا۔

انگریزی زبان میں تعلیم کا متبادل لفظ ایجوکیشن (Education) ہے جو کہ لاطینی زبان کے لفظ "educere" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب رہنمائی کرنا ہے۔[1]

1- Oxford Advanced Learner's Dictionary, 8th ed., S.V. "Education".

غزالی (۱۰۵۸-۱۱۱۱) کے نزدیک تعلیم وہ عمل ہے جس کے ذریعے فرد کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکے اور نیکی و بدی میں تمیز کر سکے۔[2]

ابن خلدون (۱۳۳۲-۱۴۰۶) کے نزدیک تعلیم کا مقصد اس حقیقت کا علم حاصل کرنا ہے جو پیغمبروں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔[3]

یعنی اصطلاحی معنوں میں لفظ "تعلیم کا مطلب بہت وسیع ہے، مادی و روحانی ضروریات کے پیشِ نظر زمانے کے نشیب و فراز کو سمجھنا، اپنی سوچ و سمجھ سے فکری صلاحیتوں کو بہتر بنانا، ماضی و حال کے مختلف واقعات کے تناظر میں معاشرتی، اقتصادی، جغرافیائی ضروریات کا شعور اور ان تمام پہلوؤں کے انسانی سماجی زندگی پہ مرتب ہونے والے اثرات کی حقیقت کو سمجھنا اور اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے موجود معلوم حقائق کی روشنی میں خوبیوں و خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کارآمد شہری بنانے کی تربیت کرنے کو تعلیم کہتے ہیں۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام میں تعلیم کی جو اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی الٰہی نازل ہوئی، اس کا آغاز لفظ "اقراء" سے ہوا تھا جس کا معنی ہے "پڑھ"۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)﴾[4]

(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔ اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلّق وجود سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا۔ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اسلام تعلیم و تربیت کا ایک ایسا نظام دیتا ہے جس کی عمارت کی پہلی اینٹ ہی "اقراء" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو سب سے پہلے انہیں اسمائے اشیاء کا علم عطا فرمایا۔ علم کی اہمیت و فضیلت کو قرآن میں کئی مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

2- ابو حامد محمد غزالی، منہاج المتعلم (دمشق: دار البیان، ۲۰۰۵)، ۴۴-۴۶۔

3 - مقبول احمد، علمی اساسیات علم التعلیم (لاہور: علمی کتاب خانہ، ۲۰۱۵)، ۵-۸۔

4 - القرآن ۹۶: ۱-۵۔

﴿قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي ٱلَّذِينَ يَعۡلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ﴾[5] (جو لوگ نہیں جانتے کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو جانتے ہیں؟)۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ[6](علم کی طلب ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے)۔

گویا یہ اسلام ہی ہے جس نے ہر شخص کے لیے علم کا تصور پیش کیا۔ ایک طرف اسلام نے تعلیم کو بنیادی ضرورت قرار دیا تو دوسری طرف اس کو حاصل کرنے کی ذمہ داری فرد اور معاشرے دونوں پر عائد کی ہے۔ اسلام کا یہ اصول ہے کہ جو چیز سب پر فرض ہو، اس کی فراہمی کی اوّلین ذمہ داری فرد پر جب کہ آخری ذمہ داری معاشرے اور ریاست پر عائد کرتا ہے۔[7]

اسلامی نظام تعلیم

تعلیم کے عناصر کا ایسا مجموعہ جو باہم مربوط ہو کر اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہوں اور ہم آہنگ ہو کر؟ کی حیثیت اختیار کر لیں تو یہ عناصر کا مجموعہ اسلامی نظام تعلیم کہلائے گا۔ اسلامی نظام تعلیم سے انسان کو اخروی اور دنیوی فوز و فلاح حاصل ہوتی ہے۔ اخروی فلاح و بہبود سے انسان جہنم کے عذاب سے بچ جاتا ہے اور جنت کی نعمتوں کو پالیتا ہے۔ دنیاوی فلاح و بہبود حاصل ہونے سے انسان امن و سکون کی زندگی گزارتا ہے۔

مغلیہ عہد میں علوم دینیہ کی تدریس کا اہتمام

برصغیر پاک و ہند میں لودھی خاندان کے دور حکومت کے خاتمے کے بعد مغلیہ دور حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔ برصغیر میں مغلیہ دور حکومت اڑھائی سو سال پر مشتمل ہے۔ مغل وسطی ایشیائی علاقے سے برصغیر میں آئے تھے۔ برصغیر میں ان کے دور حکومت میں زندگی کے مختلف شعبوں میں کئی نئے تصورات آئے۔ انہوں نے شعر، ادب، تعلیم، سائنس، فلسفہ، خطاطی، مصوری اور فن تعمیر میں ترقی کی۔ مغلیہ حکمرانوں نے پہلے حکمرانوں کی طرح تعلیم و تعلم میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ ان کے درباروں میں اعلیٰ پایے کے علما موجود رہے۔ حکمرانوں نے اپنے اپنے دور حکومت میں دل کھول کر مکاتب و مدارس کے لیے روپیہ خرچ کیا۔

---

5 - **القرآن** ۳۹:۹ -

6 - ابن ماجہ، محمد بن یزید، **السنن**، کتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم (**بیروت**: داراحیاء الکتب العربیة، س ن)، رقم: ۲۲۴ -

7 - محمد اقبال، **مقالات اسلامیہ** (**فیصل آباد**: انجمن نوجوانان اسلام، ۲۰۰۵)، ۱۴۰۔

مراکز تعلیم

مغلیہ دور حکومت میں ابتدائی تعلیم مساجد میں دی جاتی تھی۔ اس سطح کے مدارس "مکتب" کہلاتے تھے۔ مغل حکمرانوں کی علمی سرپرستی اور تعلیم سے دلچسپی کی بدولت شہروں میں بکثرت مدارس اور مکاتب قائم ہوئے جن میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانہ میں عام مسجدیں بھی تعلیمی مراکز کا کام دیتی تھیں۔ جب کہ دہلی، آگرہ، لاہور، جون پور، بیجاپور، احمد آباد اور گجرات وغیرہ میں جو عظیم الشان مساجد تعمیر ہوئیں، ان کے طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بڑا حصہ درس وتدریس کے کام آتا تھا۔ مساجد کی طرح بزرگوں کی قائم کردہ تعلیمی خانقاہیں بھی عموماً درس گاہ کا کام دیتی تھیں۔ ان کے مصارف کے لیے حکومت عطیے دیتی تھی۔ جاگیریں اور جائیدادیں وقف ہوتی تھیں جن کی آمدنی خانقاہوں کو دی جاتی تھی۔ کسی مخیر شخص کی وقف کردہ جائیداد کی آمدنی سے بھی ان خانقاہوں کا خرچ چلتا تھا۔ سرکاری مدرسوں اور کالجوں میں درس وتدریس کا کام ہوتا تھا۔ ایسے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہندو رعایا کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا پہلا دور (۹۳۳ھ-۱۵۲۶ء تا ۹۴۷ھ-۱۵۴۰ء)

بادشاہ ظہیر الدین بابر اور تعلیم

پہلا مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر تھا۔ اس کے دور میں علم وادب کمال تک پہنچا۔ بابر کا کتب خانہ مختلف نوعیت کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ وہ سفر وحضر میں بھی بہت سی کتابیں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء) میں بابر کے ہاتھ افغان حاکم غازی خان کا کتب خانہ لگا جو بابر کے نزدیک سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔ غازی خان بھی بڑا علم دوست تھا اور شاعرانہ مزاج رکھتا تھا۔ اس کے کتب خانہ میں عمدہ اور خوش خط لکھی ہوئی کتابیں موجود تھیں۔ بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ کتابیں اپنے لیے منتخب کیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو پڑھنے کے لیے دیں اور کچھ کامران کو کابل بھجوادیں۔

بابر کے وزیر سید معتبر علی کی کتاب 'التواریخ' سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے عہد میں محکمہ تعلقات عامہ / محکمہ تعمیرات عامہ کو اس کے دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی سپرد کیا گیا کہ وہ ڈاک کا کام کرے، ایک گزٹ نکالے اور مدارس و دارالعلوم تعمیر کرائے۔ یہ محکمہ بعد کے حکمرانوں کے دور میں بھی بدستور کام کرتا رہا۔ تعلیمی عمارتوں کی تعمیر کے کام سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت تعلیمی امور پر توجہ دے رہی تھی۔ بابر خود بھی عربی، فارسی اور ترکی زبان کا عالم تھا جیسا کہ این۔ این۔ لاء لکھتا ہے:

"He was a great scholar in Arabic, Persian and Turkish, and a fastidious critic.[8] "

علم وادب میں بابر کی دلچسپی

بابر علم و ادب سے خاص لگاؤ رکھتا تھا۔ اس کے دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی عظیم روایات قائم ہوئیں۔ ظہیر الدین بابر نے علم و ہنر کی ترویج کے لیے انتظام کیا، جابجا مدرسے کھولے، مسجدیں بنوائیں اور مختلف فلاحی کاموں میں دلچسپی لیتا رہا۔ بابر کی علم سے دلچسپی کے بارے میں جمیل یوسف لکھتے ہیں:

"ساری زندگی جنگ و عدل میں مصروف رہنے کے باوجود بابر علم و ادب کے موتی رولتا رہا۔ تیموری خاندان کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے اس کے پیچھے تہذیب و تمدن کی شاندار روایات تھیں"۔ [9]

تعلیمی نظم و نسق

عہد مغلیہ میں برصغیر پاک و ہند میں مسلمان آبادی کے مکانات، محلہ کی مسجدوں کے حجرے طلبہ کے لیے اقامت خانوں کا کام دیتے تھے یعنی "فری بورڈنگ" کا نظام قائم تھا۔ مساجد، شہروں، قریوں اور قصبات میں امراء کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں سے بھی مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا۔

بابر کی وفات

بابر نے بارہ سال کی عمر میں تاج شاہی سر پر رکھا اور اڑتیس برس حکومت کی جس میں پانچ برس ہندوستان کے عہد حکومت کے بھی شامل ہیں۔[10] بابر کی اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت: اسلام کی اشاعت ظلم و ستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔[11]

ہمایوں عہد (۹۳۷ھ-۱۵۳۰ء)

بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹے نصیر الدین محمد ہمایوں نے ۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ (۲۹ دسمبر ۱۵۳۰ء) کو آگرہ میں ہندوستان کا تاج شاہی سر پر رکھا۔ ہمایوں ترکی، فارسی، علم ہیئت، ہندسہ، نجوم، شعر اور معما گوئی میں ماہر تھا۔۔ اس کا

8- Law, N.N. Promotion of Learning in Muslim India. London: Oxford Press (1916) 121.

9- جمیل یوسف، بابر سے ظفر تک (اسلام آباد: کتاب گھر، ۱۹۸۹)، ۱۶۔

10 ۔ محمد اسحٰق بھٹی، فقہائے ہند (لاہور: دارالنوادر، ۲۰۱۳)، ص ۴۶۸۔

11 ۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰)، ۲۳۔

کتب خانہ بڑا وسیع اور مختلف عنوانات کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا۔ اکثر مہمات پر بھی اپنے ساتھ مطالعہ کے لیے کتابوں کی ایک منتخب لائبریری لے جایا کرتا تھا۔ ایس ایم جعفر لکھتے ہیں:

> ”جس وقت وہ ہندوستان چھوڑ کر جا رہا تھا، وہ اپنے ساتھ اپنی پسند کی کتابیں اور اپنے وفادار لائبریرین لالہ بیگ کو بھی جو باڑ بہادر کے نام سے موسوم تھا، لے گیا تھا۔“[12]

ہمایوں نے تعلیمی ترقی کے لیے بھرپور کوشش کی۔ اس کے عہد میں ایک مدرسہ دہلی میں موجود تھا جس کا مدرس شیخ حسین تھا۔ اس کے عہد میں دریائے جمنا کے کنارے بھی تعلیمی مدارس موجود تھے جو اس کی تعلیمی دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ ابو الحسنات ندوی لکھتے ہیں:

> ہمایوں کے عہد میں آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے شیخ زین الدین خوافی نے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔[13]

مدارس

ہمایوں کے مقبرے کے اوپر جو چھت تھی، وہ بھی دراصل ایک مدرسہ تھا جس میں بڑے بڑے اساتذہ تعلیم کے لئے وقت دیتے تھے اور مقبرہ کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے کمرے طلبا کی اقامت کے لیے بنے ہوئے تھے۔

علمائے کرام

ہمایوں کے عہد حکومت میں بہت سے مدارس موجود تھے جن میں علما و فضلا تدریس کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ ان علما میں سید عبد اللہ لاہوری بھی موجود تھے جو سید عبد القادر بھاکری کے فرزند اور تصوف کے قادری سلسلے سے وابستہ تھے۔ وہ معقولات اور منقولات میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر حدیث، تفسیر اور فقہ کی تدریس میں گزار دی۔ اس کے متعلق رحمان علی لکھتے ہیں:

> وہ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ انہوں نے تمام عمر فقہ، حدیث اور تفسیر کے درس میں گزار دی تھی۔[14]

وفات

۷ ربیع الاول ۹۶۳ھ (۲۰ جنوری ۱۵۵۶ء) کو ہمایوں اس کتب خانے کی چھت پر گیا جو دہلی کے قلعہ دین پناہ میں قائم کیا گیا تھا۔ مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد چھت سے اتر رہا تھا تو اذان کی آواز سن کر اذان کے احترام میں وہیں

---

[12]- Jaffar, S.M.Mughal Empire (Lahore: Maktaba Aalia, 1988), 73.

[13] ۔ ابو الحسنات ندوی، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں** (امر تسر: الیکٹرک پریس، ۱۹۹۲)، ۲۹۔

[14] ۔ رحمان علی، **تذکرہ علمائے ہند**، (لکھنو: مطبع منشی نولکشور، ۱۹۱۲)، ۱۰۳۔

سیڑھیوں میں بیٹھ گیا۔ اٹھنے لگا تو عصا ٹوٹ گیا۔ اس حادثے کے سات روز بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ھ (۲۸ جنوری ۱۵۵۶ء) کو اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ہمایوں نے اکیاون برس عمر پائی اور پچیس سال سے زائد عرصہ فرائض حکمرانی انجام دیے۔[15]

شیر شاہ سوری عہد

ہمایوں کے ترک وطن کے بعد شیر شاہ سوری تخت نشین ہوا۔ اس نے ہندوستان پر قریباً پانچ سال حکومت کی۔ اس کا اصل نام فرید خان تھا۔ اس کے باپ کا نام حسن اور دادا کا نام ابراہیم تھا۔ ابراہیم اصل میں افغانستان کے علاقے رن کا رہنے والا تھا اور وہاں کے سور خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ فرید خان، شیر شاہ کے نام سے (خطاب شیر شاہ) بادشاہ بنا۔[16] شیر شاہ بڑا مدبر، عالم و فاضل، علما کا دوست و ہمدرد اور عادل بادشاہ تھا۔ اس نے ملک میں باقاعدہ اصلاحات جاری کیں اور اپنی قلمرو کو نظم و نسق کی مضبوط لڑی میں پرو دیا۔ اس کے دور حکمرانی کو برصغیر میں زریں دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مدرسہ نارنول

قلیل عرصہ حکومت کرنے کے باوجود اس نے متعدد تعلیمی مدارس بنوائے جو علوم و فنون کی ترقی کے لیے کام کر رہے تھے۔ یہ مدارس شیر شاہ سوری نے اپنے عہد حکومت (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) سے پہلے بنوائے تھے۔ ان مدارس میں نارنول (پٹیالہ) کا عظیم الشان مدرسہ شیر شاہ سوری کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ مدرسہ کی عمارت بڑی شاندار تھی۔ یہ مدرسہ شیر شاہ سوری نے اپنے داد کے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر بنوایا تھا۔ ان کے دادا ابراہیم سوری کی قبر بھی یہیں واقع ہے۔ یہ مدرسہ بھی تعلیمی ترقی کے لیے کام کرتا رہا۔ اس مدرسہ پر ایک کتبہ ابھی بھی موجود ہے جس سے اس کی تاریخ تعمیر ۹۲۷ھ / ۱۵۲۱ء ظاہر ہوتی ہے۔[17]

وفات

شیر شاہ سوری کی مدت بادشاہت قریباً چار سال، چار ماہ، پندرہ دن ہے۔ اس نے ۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ بمطابق ۲۴ مئی ۱۵۴۵ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات بہادر قلعے میں بارودی گولے کے پھٹنے سے ہوئی۔ شیر شاہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا اور سارا جسم جل کر سیاہ ہو گیا۔ اسی سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کو اس کی پرانی جاگیر سہسرام میں دفن کیا گیا۔

15۔ محمد اسحٰق بھٹی، **فقہائے ہند** (لاہور: کتاب سرائے پبلشرز، س ن)۔ ۴۸۱۔

16۔ نفس مصدر، ۴۷۳-۴۷۶۔

17 ۔ ندوی، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں** (امرتسر: الیکٹرک پریس، ۱۹۹۲)، ۲۸۔

شیر شاہ کا ذاتی کردار اور اوصاف

شیر شاہ بہت بڑا عالم تھا، اس لیے وہ علما کی بڑی قدر کرتا تھا۔ روزہ نماز کا بڑا پابند تھا۔ تہجد کے وقت اٹھتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ تہجد اور اشراق کی نماز پڑھتا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت پابندی کے ساتھ کرتا تھا۔ اس نے ملک سے بدعنوانی اور بدچلنی کو ختم کرنے کے لیے سخت ترین قوانین نافذ کر رکھے تھے۔

سلیم شاہ سوری

شیر شاہ سوری کے بعد اس کا بیٹا جلال خان ۱۵ ربیع الاول ۹۵۴ھ بمطابق ۱۵۴۵ء کو قلعہ کالنجر میں تخت نشین ہوا۔[18] جلال خان نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنا لقب "سلیم شاہ" اختیار کیا لیکن وہ حکومت کو سنبھالنے کا اہل نہ تھا۔ وہ وسیع حکومت کا انتظام چلانے میں قطعی نااہل ثابت ہوا۔ لیکن زہد و عبادت کے پہلو میں وہ بڑا عبادت گزار اور نیک نفس بادشاہ تھا۔ علما سے عزت و تکریم سے پیش آتا اور علمی مسائل میں ان سے مذاکرہ کرتا۔ سلیم شاہ سوری کا زمانہ علم و علما کے اعتبار سے بڑا زرخیز تھا۔ یہ بادشاہ اہل علم کا بہت قدر دان تھا۔ اس کے دربار میں شعر و شاعری اور مختلف مسائل پر علما کے درمیان مذاکرے اور مباحثے جاری رہتے۔ اس بارے میں این این لا لکھتے ہیں:

> "Shir Shah's son has love of learning. He could compose extempore verses. Two learned men with whom he used to mix often were Shaikh Abdul Hasan Kambu and Shaikh Abdullah Sultanpuri Maqdum-ul-Mulk ." [19]

> (شیر شاہ کا بیٹا علم سے محبت رکھتا تھا۔ وہ فی البدیہہ اشعار کہہ سکتا تھا۔ وہ اکثر شیخ عبدالحسن کمبوہ اور مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری جیسے، علما کی صحبت سے مستفید ہوتا تھا۔)

سلیم شاہ نے ہندوستان پر نو سال بادشاہت کی۔ ۹۶۱ھ -۱۵۵۴ء میں وفات پائی۔ اس سال کو بادشاہوں کی موت کا سال بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ گجرات کے خدا ترس اور عادل بادشاہ محمود کو برہان نامی ایک خادم نے شہید کیا اور اسی سال دکن کے بادشاہ نظام الملک کا انتقال ہوا۔

18۔ شوکت علی فہمی، **ہندوستان میں اسلامی حکومت** (لاہور: جہان علم و ادب، س ن)، ۲۸۷۔

19- Law, N.N, 138.

اکبر کا دور حکومت (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء)

۵ رجب ۹۴۹ھ بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو ہمایوں کا بیٹا اکبر پیدا ہوا۔ اس کی والدہ کا نام حمیدہ بیگم تھا۔ ہمایوں نے اپنے بیٹے کا نام جلال الدین محمد اکبر تجویز کیا۔[20] جلال الدین محمد اکبر باختلاف روایات ۲ یا ۷ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / جنوری ۱۵۵۶ء کو چودہ برس کی عمر میں اپنے باپ نصیر الدین ہمایوں کی وفات کے بعد تخت ہند پر بیٹھا۔[21]

اکبر خود زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن مردم شناس اور جوہر قابل کا قدر دان تھا۔ اس نے فرض شناس اور لائق افراد اپنے دربار میں جمع کر لیے تھے۔ اس کا دور، علم و فن کے اعتبار سے بے حد زرخیز تھا۔ بے شمار علما و فضلا جو مروجہ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اس کے دربار میں موجود تھے اور ملک کے مختلف علاقوں اور صوبوں میں بھی اہل علم بہت بڑی تعداد میں علمی خدمات انجام دیتے تھے۔ بڑے بڑے شہروں میں مدارس دینی قائم تھے۔ مثلاً دہلی، آگرہ، احمد آباد، جون پور، لاہور، ملتان، سیالکوٹ، سرہند، وغیرہ میں مشہور زمانہ حضرات علما نے تشنگان علوم کی علمی تشنگی بجھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔

علوم و فنون کی سرپرستی

اکبر کے دور کے تعلیمی تغیرات و انقلابات کے بارے میں غلام جیلانی مخدوم اور صفدر حیات صفدر لکھتے ہیں:

> "اکبر کے دور میں تعلیمی تغیرات و انقلابات پیدا ہوئے۔ سب سے بڑا تغیر ابتدائی تعلیم میں یہ ہوا کہ مدت تعلیم گھٹ گئی اور جو کام برسوں میں ہوتا تھا، مہینوں میں ہونے لگا۔ اس کے نصاب میں وسعت پیدا ہوئی اور بہت سے علوم کا اضافہ کیا گیا"۔[22]

اکبر نے اپنے دور میں بہت سی تعلیمی اصلاحات بھی نافذ کیں۔ جو علوم اس دور میں پڑھائے گئے، ان میں اخلاقیات، علم الحساب، بہی کھاتہ اور فن زراعت، وغیرہ ہیں۔ ابو الفضل ان علوم کی مکمل فہرست بیان کرتا ہے:

> اخلاقیات، علم حساب، بہی کھاتہ، فن زراعت، علم الہندسہ، علم الساحت، علم ہیئت، علم رمل، معاشیات، انتظام ملکی، طبیعات، منطق، فلسفہ و حکمت، ریاضیات، الٰہیات اور تاریخ۔[23]

---

20 - فہمی، **ہندوستان میں اسلامی حکومت** (لاہور: جہان علم و ادب، س ن)، ۲۵۷۔

21- بھٹی، **فقہائے ہند**، ۳۳۔

22 ۔ صفدر حیات صفدر و غلام جیلانی مخدوم، **اسلامی ہند کے مسلم حکمرانوں کے تہذیبی اور سیاسی کارنامے** (لاہور: نیو بک پیلس، ۱۹۸۹)، ۵۵۔

رسمی تعلیم

اکبر کے دور کا سب سے بڑا تعلیمی کارنامہ یہ ہے کہ اس کے دور میں عام اسکولوں میں رسمی تعلیم دینے کا رواج عام ہوا تھا۔ کچھ مشترکہ اسکول بھی قائم ہوئے جن میں ہندو اور مسلمان طلبا ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس نے مختلف طلبا کے لیے مختلف قسم کا نصاب مقرر کیا۔ ہندو طلبا کے لیے ان کے مذہب اور معاشی و معاشرتی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب مقرر کیا گیا۔ اس عہد میں تعلیم اور نصاب میں واضح تبدیلی ہوئی۔ تعلیم و تدریس کے نئے طریقے متعارف کرائے گئے۔ حروف تہجی کو ختم کرکے حروف کے جوڑ پیوند کو لکھنا اور پڑھنا سکھایا جاتا۔ اس طرح طالب علم میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی کہ وہ اشعار اور حکمت و نصیحت کی باتیں جلدی یاد کر لیتا۔ تدریس میں اس طریقہ کو ملحوظ رکھا گیا کہ بچہ خود حروف کو پہچانے اور ان کو ملا کر الفاظ بنائے۔ اس طریقے سے حروف کی شناخت، الفاظ کے معانی، مصرع، شعر اور آموختہ پر استاد زیادہ توجہ دیتا اور طالب علم جلدی پڑھنا، لکھنا سیکھ جاتا۔ ابو الفضل لکھتے ہیں:

> اکبری دور میں طریقہ تدریس میں اصلاح کے لیے یہ کوشش کی جاتی کہ بچہ خود حروف کا جوڑ پہچانے اور ان کو ملا کر الفاظ نکالے اور بخوبی سمجھ کر سکے۔ اور ان امور میں استاد بہت کم مدد دیتا۔ چند روز میں ایک مصرع یا ایک مقولہ اس طرح پڑھایا جاتا اور یاد کرایا جاتا کہ بچہ قلیل مدت میں رواں پڑھنے لگتا۔[24]

علوم وفنون کی سرپرستی

اکبر نے علوم وفنون کی وسیع پیمانے پر سرپرستی کی۔ اس کے دور میں ملک میں متعدد مدارس قائم ہوئے جو علوم وفنون کی ترویج و اشاعت میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان مدارس کے علما و فضلا نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ بعض کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ اس سے ادبی معیار بہت بلند ہوا۔ جیسا کہ ایس۔ ایم۔ جعفر لکھتے ہیں:

> اکبر کے دور میں ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مدرسے قائم تھے اور دور دور سے ان مدرسوں میں اہل علم پڑھنے اور پڑھانے آتے تھے۔ جون پور، آگرہ، دہلی، احمد آباد، ملتان اور دوسرے علمی مراکز میں علوم وفنون کی ترویج درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ انہی مرکزوں کے علما نے اپنی تصنیف و تالیف کے ساتھ ہندوؤں کی بعض کتابوں کے ترجمے کیے۔[25]

---

23 - ابو الفضل ابن مبارک (متوفی 1602ء)، **آئین اکبری**، ترجمہ مولوی فدا علی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء)، ۲۷۸۔

24 - نفس مصدر، ۴۱۷-۴۱۸۔

25 - ایس، ایم، جعفر، **تعلیم، ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں** (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷ء)، ۶۵۔

اکبر نے فتح پور سیکری شہر کو آباد کیا اور اس میں علوم وفنون کی ترویج کے لیے کئی مدارس قائم کیے۔ اس نے فتح پوری سکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا۔ مشہور عبادت خانہ جو اصل میں مذہبی بحث ومباحثہ کے لیے وقف تھا، نامور علما و مفکرین کی توجہ کا اہم مرکز بنا۔ عہد اکبری میں ماہم بیگم نے جو اکبر عظیم کی مرضعہ تھیں، ۹۶۹ء میں پرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا۔ مدرسہ کا نام "**خیر المنازل**" رکھا گیا۔ مختلف علوم وفنون کے لیے مقامات مخصوص ہوتے تھے جہاں سے ان علوم کی تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ مثلاً صرف ونحو کی تعلیم پنجاب میں دی جاتی تھی۔ حدیث و تفسیر کی تعلیم دہلی میں دی جاتی تھی۔ منطق وحکمت کی تعلیم رام پور میں دی جاتی تھی۔ فقہ، اصول فقہ اور کلام لکھنو میں پڑھائے جاتے تھے۔ فارسی تعلیم کے علاوہ سنسکرت اور دیگر مذہبی علوم کی تعلیم کے لیے، ملک کے بڑے بڑے مشہور شہروں میں بڑی بڑی درسگاہیں تھیں جہاں دور دور سے طلبہ آکر شریک درس ہوتے تھے۔

نصاب تعلیم کا تیسرا دور

برصغیر پاک وہند میں مسلم دینی تعلیمی نصاب کے تیسرے دور کا آغاز ۱۵۸۳ء میں میر فتح اللہ شیرازی (م ۱۵۸۸ء) کی اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے دربار میں آمد سے ہوتا ہے۔ ہمایوں عقلی علوم کا دلدادہ تھا مگر اکبر مذہبی آزادی کی حمایت کرنے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا دربار صرف فلسفہ وحکمت کا دربار بن گیا۔ میر فتح اللہ شیرازی نے سابقہ نصاب میں اضافہ کیا۔ اکبر کے دور میں کئی طرح کی تبدیلیاں نصاب تعلیم میں رونما ہوئیں۔ فتح اللہ شیرازی نے درسی کتب پر حاشیہ نگاری کی اور درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس کا درس صرف اعلیٰ درجوں کی انتہائی نایاب کتب ہی تک محدود نہ تھا بلکہ امراء اور وزراء کے سات آٹھ سال کے بچوں کو بھی ابتدائی نصاب پڑھایا جارہا تھا۔ نئے نصاب تعلیم کو علما نے فوراً قبول کیا۔ شاہ ولی (۱۷۶۲ء) (جو اس دور میں سب سے آخر میں آئے) نے "**الجزاء اللطیف**" میں اپنی درسیات کو اس ترتیب سے لکھا ہے:

نحو: کافیہ۔ شرح جامی۔

منطق: شرح شمسیہ۔ شرح مطالع۔

فلسفہ: شرح ہدایت الحکمۃ۔

کلام: شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی۔ شرح مواقف۔

فقہ: شرح وقایہ۔ ہدایہ (کامل)۔

اصول فقہ: حسامی۔ توضیح وتلویح (کچھ حصہ)۔

بلاغت: مختصر۔ مطول۔

ہیئت وحساب: بعض رسائل مختصرہ۔

طب: موجز القانون۔

حدیث: مشکوۃ المصابیح (کل)۔ شمائل ترمذی (کل)۔ صحیح بخاری۔

تفسیر: مدارک۔ بیضاوی۔

تصوف وسلوک: عوارف المعارف۔ رسائل نقشبندیہ۔ شرح رباعیات جامی۔ مقدمہ شرح لمعات۔ مقدمہ نقد النصوص۔

اکبر کے عہد حکومت میں نصاب تعلیم میں جو تبدیلیاں ہوئیں، ان کا تجزیہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں:

> "اکبر کے زمانے میں درس و تدریس میں کئی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ خلجی اور تغلق خاندانوں کے زمانے میں علوم و فنون کی کتابیں ہندوستان میں کم تھیں کیوں کہ ان کے عہد میں فقہ اور اصول فقہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ لودھیوں کے زمانے میں معقولات کی چند کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن اکبر کے عہد میں معقولات میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کی بڑی وجہ ایران اور سمرقند سے بعض علما کی آمد تھی جنہوں نے منطق اور فلسفے کو پھر سے رواج دیا"۔[26]

علما کی آمد اور اشاعت تعلیم:

اکبر کے عہد میں علما کی ایک بڑی تعداد لاہور میں موجود تھی۔ **ہفت اقلیم** کے مصنف امین الدین رازی نے اکبری عہد میں لاہور کے علما کی تعداد کے بارے میں لکھا ہے:

> "لاہور میں فضلا اور علما کی اتنی بڑی تعداد آباد ہے کہ وہ گنتی اور شمار میں نہیں آسکتی"۔[27]

اکبر کا عہد برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے لیے امن و خوشحالی کا باعث بنا۔ اس کے دور میں علوم و فنون نے بہت ترقی کی۔ اکبر کا دربار علما اور فضلا سے بھرا پڑا تھا۔ فیضی، اکبری دربار کا ملک الشعرا تھا جہاں بیسیوں اہل زبان (ایرانی) شعرا موجود تھے۔ علامہ ابو الفضل، ابو الفیضی، عبد القادر بدایونی، خان خاناں عبد الرحیم جیسے علما و اہل کمال دربار اکبر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں تصنیف و تالیف پر گہری توجہ رہی۔ " آئین اکبری" بھی اسی دور میں تالیف ہوئی جس پر

---

[26] ۔ شیخ محمد اکرام، **موج کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۵)، ۱۶۲۔

[27] ۔ امین احمد رازی، **ہفت واقلیم** (کلکتہ: رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۳۹)، ۱۳۳۔

علمائے حق نے آواز بلند کی۔ آگرہ میں متعدد مدارس قائم تھے۔ یہاں کی تعلیمی درسگاہوں کے لیے شیراز سے علما بلائے جاتے تھے۔ جیسا کہ این۔ این۔ لاء لکھتے ہیں:

> آگرہ، اکبر کے عہد میں علوم وفنون کا ملجا وماویٰ اور تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ اسی شہر میں بہت سے اسکول تھے جہاں طلبہ دور دور سے مشہور علما کے درس میں شرکت کرنے کے لیے آتے اور جن میں شیراز کے ممتاز اساتذہ درس دیا کرتے تھے۔[28]

اس دور میں بہت سے علمائے کرام نے درس وتدریس کی مسندیں بچھائیں۔ مولانا علاؤ الدین، شیخ منور لاہوری، شیخ مبارک ناگوری، شیخ معین لاہوری، ملا عبد الرحمٰن لاہوری، ملا اسحاق، شیخ نعمت لاہوری، شیخ نور الدین کنبوہ لاہوری، شیخ موسیٰ حداد، ملا ہادی محمد، مولانا محمد مفتی، مولانا الہ داد لنگر خانی، قاضی صدر الدین لاہوری، ملا ابو الفتح لاہوری، ملا ہاشم کنبوہ لاہوری، ملا یزید لاہوری، مفتی اسماعیل، ملا حسام الدین لاہوری، مولانا اسماعیل مدرس میاں وڈا، وغیرہ کا شمار لاہور کے معروف علما اور اساتذہ میں ہوتا تھا۔ شیخ سعد اللہ بن اسرائیلی علاقہ نخاس میں درس دیا کرتے تھے اور بہت سے لوگ آپ سے استفادہ کرتے تھے اور آپ کو عزت واحترام دیتے تھے۔ ملا بدایونی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> شیخ سعد اللہ (موجودہ سلطان کی سرائے) میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو لوگ وقت کا ولی سمجھتے تھے۔[29]

جلال الدین اکبر کی وفات:

اکبر نے پچاس سال سے کچھ زائد عرصہ حکومت کرکے ۱۳ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء کو وفات پائی اور دارالسلطنت آگرہ میں سکندرہ کے مقام پر دفن کیا گیا۔[30]

نور الدین جہانگیر عہد (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء)

نور الدین، مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کا سب سے بڑا بیٹا اور بابر کی نسل کا چوتھا بادشاہ تھا جو ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ / ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء کو نواح آگرہ میں سیکری کے مقام پر پیدا ہوا۔[31] اکبر نے اس کا نام اپنے مرشد شیخ سلیم چشتی کے نام پر رکھا۔ جہانگیر کی والدہ کا شاہی نام مریم زمانی تھا۔ وہ راجہ پہاڑ امل کی بیٹی تھی اور ہندوستان کے راجپوت خاندان

---

[28]۔ Law, N.N,163.

[29]۔ عبد القادر بدایونی، **منتخب التواریخ**، ترجمہ عبد الحئی علوی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ص ۵۹۰-۵۹۱۔

[30]۔ محمد قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ترجمہ عبد الحئی خواجہ (لاہور: المیزان ناشران وتاجران کتب، س ن)، ۲: ۵۳۵۔

[31]۔ نور الدین جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴)، ۱۸۔

سے تعلق رکھتی تھی۔[32] جہانگیر کی ولادت کے بعد اکبر نے سیکری کے مقام کو مبارک سمجھ کر اپنا دارالحکومت بنایا۔ فتح گجرات کے بعد اس کو فتح پور سیکری کے نام سے موسوم کیا گیا۔

تخت نشینی:

جہانگیر ۱۴ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ / ۱۷ ستمبر ۱۶۰۵ء کو چھتیس برس کی عمر میں اپنے والد جلال الدین اکبر کی وفات کے بعد دارالحکومت آگرہ میں جہانگیر (دنیا کا فاتح) کے نام سے تخت نشین ہند ہوا۔[33] اور برصغیر کی وسیع سلطنت کی زمام اختیار ہاتھ میں لی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر قلعہ کے دہلی دروازہ میں پتھر کے ایک حاشئے پر عبارت درج کی گئی جو آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کا اختتام ایک دعا پر ہوتا ہے: دعا ہے ہمارا بادشاہ جہانگیر پورے عالم کا بادشاہ ہو جائے۔ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ کاروبار حکومت کا آغاز کیا۔ جیسا کہ سید عبدالحیٔ حسنی لکھنوی لکھتے ہیں:

> وافتتح أمره بالعدل والسخاء وقرب إليه العلماء وكان صحيح العقيدة خلافا لوالده-[34]
>
> (جہانگیر نے اپنا سلسلۂ حکومت عدل و انصاف اور جود وسخا کے ساتھ شروع کیا۔ علمائے کرام اس سے قرب و تعلق رکھتے تھے اور وہ اپنے باپ (اکبر) کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان تھا)۔

مطالعہ کتب کا شوق

اس کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ سرکاری کتب خانے کے علاوہ اس کا ایک شاندار اور ذاتی کتب خانہ تھا۔ اس کے مہتمم کا نام مکتوب خان تھا۔ جہانگیر، سفر میں بھی کتابیں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تزک جہانگیری میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب بادشاہ گجرات گیا تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتب خانے سے کتب پیش کیں۔ وہ اپنے بارھویں سال جلوس کے واقعات کے حوالے سے لکھتا ہے:

> مشائخ گجرات میرے پاس آئے تو میں نے ان کے مرتبے کے مطابق انہیں خلعت، مصارف اور اراضی دے کر رخصت کیا۔ ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک کو اپنے ذاتی کتب خانے سے **تفسیر کشاف، تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب** وغیرہ کتابیں پیش کیں اور ان کتابوں کی پشت پر اپنی گجرات میں آمد اور کتاب دینے کی تاریخ تحریر کی۔[35]

---

[32] ۔ محمد اسحاق بھٹی، **فقہائے ہند** (لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۳ء)، ۴:۲۱۲۔

[33] ۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، **مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے** (اعظم گڑھ (یو، پی): دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)، ۳۶۔

[34] ۔ عبدالحیٔ حسنی لکھنوی، **نزہۃ الخواطر** (حیدر آباد (دکن): دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۵ء)، ۵:۱۲۰۔

وہ ترکی زبان کا عالم بھی تھا۔ یہ زبان اس نے 'عبد الرحیم خانِ خاناں' سے سیکھی۔ چہل حدیث کا درس شیخ عبد النبی سے حاصل کیا۔

عہد جہانگیر میں تعلیمی ترقی اور اس کا تعلیمی رجحان:

جہانگیر کا عہد علمی لحاظ سے بہت درخشاں تھا۔ بادشاہ خود بھی پڑھا لکھا اور مستند صاحب تالیف تھا۔ تزک جہانگیری اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جہانگیر نے تعلیم کی ترقی کے لیے بہت کاوشیں کیں۔ مدارس کی مرمت اور از سر نو تعمیرات اس بات پر شاہد ہیں کہ جہانگیر اپنے والد جلال الدین اکبر سے تعلیمی معاملات اور علوم و فنون کی ترویج میں سبقت لے گیا۔ جہانگیر کو بے نظیر انشاء پرداز تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ رائے مولانا شبلی نعمانی نے دی ہے:

> سلسلہ تیموریہ میں یوں تو ہر فرماں روا، سخن فہم اور اداشناس گزرا ہے لیکن اس فن میں جہانگیر اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا۔[36]

ایک روایت کے مطابق عہد جہانگیری میں وباء پھیلنے سے پہلے لاہور کے محلہ تلہ میں مرد وزن صغیر و کبیر تین ہزار حفاظ موجود تھے۔[37]

علاوہ ازیں وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ بہترین شاعر، ظریف طبع، فصیح البیان، ذکی و فطین اور اپنے وقت کا بہترین عالم تھا۔ جیسا کہ ایس۔ ایم۔ جعفر رقم طراز ہے:

> Jahangir was a scholar as well as a poet. He wrote his autobiography which is the main source of our information about his reign. He was an unfailing friend of the learned.[38]

تزک جہانگیری کے علاوہ فارسی زبان میں "پند نامہ" کے نام سے اپنے بیٹوں کے لیے ایک رسالہ قلم بند کیا جو چند اوراق پر مشتمل ہے۔

35۔ جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ۳۴۶-۳۴۷۔

36 ۔ مولانا شبلی نعمانی، **شعر العجم**، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲)، ۱: ۱۶۵۔

37۔ داراشکوہ، **سفینۃ الاولیاء** (یوپی - دیوبند، صابری بک ڈپو، ۱۸۷۶)، ۱۶۵۔

38- Jaffar, S. M. Education in Muslim India (Delhi: Idarah- i - Adabiyat- i - Delli , 1972) 92.

قرآن پاک کا لفظی ترجمہ

جہانگیر نے اپنے دور حکومت میں ایک عالم دین شیخ محمد بن جلال حسینی گجراتی کو قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ترجمہ لفظی ہو اور لفظ قرآن سے ایک حرف بھی زائد نہ ہو۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہونا چاہیے۔ الفاظ اور زبان میں کسی قسم کا تصنع اور تکلف نہ ہو۔[39]

علمائے کرام سے محبت وعقیدت

جہانگیر سنی العقیدہ بادشاہ تھا اور اس کو علمائے وقت سے بے حد محبت وعقیدت تھی۔ جہانگیر بادشاہ علما وصلحا کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ ان سے علم کی روشنی حاصل کرتا تھا۔ ان کے فیوض برکات سے استفادہ کرتا تھا۔ ان سے حقائق ومعارف کی باتیں سنتا تھا۔ جیسا کہ تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:

بعلما ودانایان اسلامیہ فرمودم کہ مفردات اسمائے الٰہی را کہ دریاد گرفتن آسان باشد جمع نمائند تاں آں[40]

(میں نے علمائے اسلام اور فقہاء کو حکم دیا کہ وہ مفرد اسمائے الٰہی جمع کریں کیوں کہ ان کو یاد رکھنا آسان ہے۔ میں ان کا وظیفہ کرنا چاہتا ہوں۔ جمعرات کو میں علما وصلحا اور درویشوں کی صحبت اختیار کرتا ہوں)۔

اس کے اپنے بائیس سالہ دور حکومت میں جون پور، دہلی، لاہور، آگرہ، کشمیر، سیالکوٹ، ملتان، سرہند، برہان پور، ٹھٹھہ وغیرہ میں متعدد علمائے کرام موجود تھے۔ ان علاقوں کو فقہاء وشعرا، صوفیاء واتقیا اور علما وصلحاء کے مراکز کی حیثیت حاصل تھی۔ جہانگیر بادشاہ ان علما وفقہاء میں بالخصوص شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی کے علم وفضل کی وسعت پذیری سے متاثر تھا۔ جہاں گیر کی مجدد الف ثانی سے عقیدت مندی اور شیفتگی کے متعلق مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

بادشاہ از محبان شیخ شد، بحدیکہ گاہی آں جناب را از خود جدا نمی کرد۔[41]

(جہاں گیر بادشاہ کا شمار محبان شیخ مجدد میں سے ہوا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو حضرت سے جدا نہ کرتا تھا)۔

---

[39]- لکھنوی، **نزہۃ الخواطر**، ۵:۱۶۸۔

[40]- نورالدین جہانگیر، **تزک جہانگیری** (لکھنو: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۹۱۴)، ص ۱۰۔

[41]- مفتی غلام سرور لاہوری، **خزینۃ الاصفیاء** (لکھنو: مطبع نامی گرامی پنڈت بیجناتھ الموسوم بہ ثمر ہند، س ن)، ص ۲۸۳۔

جہانگیر کے دور کے علما کرام

دور جہانگیری کے علمائے کرام اور فقہائے عظام، حکمائے عالی مقام اور شعرائے نام دار کے اسمائے گرامی کی طویل فہرست ہے۔ اقبال نامہ جہانگیری میں ہمیں ان فضلائے عصر کی فہرست دی گئی ہے جن سے جہانگیر بادشاہ نے استفادہ کیا۔ ان میں مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نام قابل ذکر ہیں جیسا کہ این۔ این۔ لاء لکھتا ہے:

> Jahangir tells us in the Tuzak that on Friday evening he used to associate with learned men, darwishes and recluses. [42]

(جہانگیر تزک میں ہمیں بتاتا ہے کہ جمعہ کی شام کو وہ علما کرام، درویشوں اور راہبوں سے ملا کرتا تھا۔)

اقبال نامہ جہانگیر میں ہمیں کچھ علما اور شعرا کی فہرست ملتی ہے جو بادشاہ کے ہم عصر تھے، وہ علما یہ تھے: ملا روزبہاں شیرازی، میر شکر اللہ شیرازی، میر عبدالقاسم گیلانی، ملا باقر کشمیری، قاضی نصر اللہ، ملا فاضل کابلی، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا عبداللطیف سلطان پوری، مولانا عبدالرحمان گجراتی، مولانا حسن فراغی گجراتی، مولانا حسین گجراتی، خواجہ عثمان حساری، مولانا محمد جون پور، مولانا مقصود علی وغیرہ۔[43]

جہانگیر نے لاہور کو ۱۵۲۲ء میں مغلیہ سلطنت کا دوسرا دارالسلطنت قرار دیا۔ اس کے زمانے میں لاہور پنجاب کا اہم ترین تعلیمی مرکز تھا۔ ملا بایزید، ملا عبدالسلام لاہوری، میرک شیخ ہروی، سید میر، مولوی محمد سعید اعجاز اور ملا محمد یوسف جیسے علما اور نامور اساتذہ یہاں موجود تھے۔ عہد جہانگیری میں سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری کے بیٹے مولانا محمد رضا عرف حکیم دانا جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ انہوں نے برسوں تک سیالکوٹ میں علمی مشاغل کی رونق قائم رکھی۔ جہانگیر نے ان کی شہرت اور قابلیت سن کر آپ کو ایک مجلس میں بہت یاد کیا تھا۔

مدارس دینیہ کی تعمیر

جہانگیر مدارس دینیہ کی تعمیر کا بھی شوق رکھتا تھا۔ اس دور میں قدیم مدارس کی مرمت کی گئی اور ان میں پھر سے تعلیم و تدریس کا انتظام قائم کیا گیا۔ **"جام جہاں"** کا مصنف لکھتا ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے تخت نشینی کے بعد قدیم مدارس کو جو کچھ مدت سے پرندوں اور جانوروں کا مسکن بنے ہوئے تھے، طالب علموں اور استادوں سے بھر دیا۔ ان مدارس میں طلبا جوق در جوق داخل ہونا شروع ہوئے۔ جو لوگ تعلیم کے حصول کو مذہبی فریضہ سمجھتے تھے، وہ ان مدارس میں آکر اطمینان کے ساتھ علوم و فنون کی اشاعت میں مشغول ہو گئے نیز پرانے مدرسوں کے ساتھ ساتھ نئے مدارس بھی قائم ہوئے۔ اس نے بہت سی خانقاہیں بھی تعمیر کروائیں۔ اس نے یہ قانون بھی وضع کیا کہ حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا

42- Law, N.N,179.
43- Ibid.

بیرونی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے مر جائے تو اس کی تمام جائیداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں اور خانقاہوں پر صرف ہو۔

عید گاہ جہانگیری جو اس عہد کی ایک شاندار مسجد تھی، اس کے ساتھ بھی ایک مدرسہ ملحق تھا۔ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی اس زمانے میں لاہور کی اس سرکاری درس گاہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ان کا شہرۂ کمال جہانگیر تک پہنچا تو اس نے ایک معقول جاگیر، مولانا کے نام مقرر کر دی۔

مدرسہ قلیج خان خانی

لاہور میں جہانگیر کے عہد حکومت میں ایک مدرسہ قلیج خانی کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ یہ مدرسہ اکبری دور میں قلیج خان اندجانی نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر معقولات میں خود بھی درس دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلی جو جہانگیر کے عہد میں تھے، اخبار الخیار میں ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہیں جہاں انہوں نے تعلیم پائی تھی۔ اس مدرسے میں تعلیم کا وقت صبح سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا۔ چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہیں اوقات میں مدرسہ جایا کرتے تھے۔

مدرسہ خس

مولانا علاء الدین جنہوں نے شرح عقائد نسفی پر حواشی لکھے ہیں، آگرہ میں درس دیا کرتے تھے۔ جو مدرسہ انہوں نے قائم کیا، وہ "مدرسہ خس" کے نام سے مشہور ہوا کیوں کہ یہی اس کا تاریخی نام تھا۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں:

"بآگرہ آمدہ بدرس مشغول شدند مدرسہ از خس ساختند و مدرسۂ خس تاریخش شد۔"[44]

مولانا علاء الدین آگرہ آئے، خس وخاشاک سے مدرسہ بنایا اور پڑھانا شروع کر دیا اس کا تاریخی نام مدرسہ خس پڑ گیا۔

جہانگیر بادشاہ کا انتقال پر ملال

بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کی وفات حالت سفر میں واقع ہوئی جب وہ کشمیر کے دورے پر تھا۔ راجوڑی سے بھمبر جاتے ہوئے راستے میں چاشت کے وقت ہفتے کے روز ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو اٹھاون برس کی عمر پا کر اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔[45] اس نے بائیس سال برصغیر پاک وہند پر حکومت کی۔ اس کی میت لاہور میں لائی گئی اور اسی شہر میں اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کے مقام تدفین کا انتخاب اس کی زوجہ محترمہ نور جہاں نے کیا اور اس نے اپنے خرچ

44۔ ابوالحسنات ندوی، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں** (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۴)، ۳۲۔

45 ۔ بھٹی، **فقہائے ہند**، ۲۲۷-۲۲۸۔

سے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا۔ بابر کی نسل کے اس چوتھے بادشاہ کی آخری رسوم (تعزیت) شاہی روایات کے مطابق ادا نہ کی گئیں۔ اس کی وجہ سیاسی حالات کا موزوں نہ ہونا تھا۔

شہاب الدین شاہجہاں (۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء)

مغلیہ خاندان کا سب سے مہذب، صاحب ذوق اور اعلیٰ مزاج رکھنے والا بادشاہ تھا۔ وہ چہار شنبہ کے روز ۲۸ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ / جنوری ۱۵۹۲ء کو لاہور میں پیدا ہوا۔ اس کا نام خرم رکھا گیا۔ شاہجہاں کی والدہ کا نام جودھا بائی تھا۔ وہ جودھ پور کے راجا بھگوان داس کی بیٹی تھی۔

تخت نشینی

جہانگیر کا بیٹا شاہجہاں ۱۰۳۸ھ / ۲ فروری ۱۶۲۸ء کو سینتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس دور میں دارالحکومت آگرہ تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ شاہجہاں کی ولادت بھی لاہور میں ہوئی اور تاج شاہی بھی اسی شہر میں سر پر رکھا گیا۔ اس نے اکتیس سال برصغیر پاک وہند میں حکمرانی کے فرائض نبھائے۔[46]

بدعات کا خاتمہ

اس پابند شریعت بادشاہ کے عہد میں برصغیر پاک وہند میں اسلام کو بڑی تقویت ملی اور بدعات کا خاتمہ کیا گیا۔ سجدہ تعظیمی جو پہلے بادشاہوں کے لیے رائج تھا، اس کو موقوف کر دیا گیا۔ اس دور میں علماو مشائخ کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا۔ شاہجہاں کے دربار میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا محمد فاضل بدخشانی، قاضی محمد اسلم، قاضی محمد سعید، ملا میرک ہروی، ملا عبداللطیف، میر محمد ہاشم، ملا فرید دہلوی اور میر محمد صالح نے رہ کر اس کے مذہبی خیالات کی نشوونما میں بڑی مدد پہنچائی۔

تعلیمی ترقی

شاہجہاں نے اپنی رعایا کی اخلاقی اور تعلیمی ترقی کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ اس دور میں جو تعلیمی ترقی ہوئی، اس کے متعلق این۔ این۔ لاء نے لکھا ہے:

> تمام تعلیمی ادارے جن کے لیے سابق فرماں رواؤں، امراء اور دوسرے لوگوں نے بڑی بڑی جاگیریں اور اوقاف عطا کیے تھے، وہ اس کے عہد میں بھی اسی فراغ اور خوشحالی سے چلتے رہے۔[47]

46 - سید صباح الدین، **مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے**، ۳۹۔

47- Law, N.N. 181-

شاہجہاں کے عہد حکومت میں پنجاب میں امن و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ شاہجہاں کئی بار پنجاب کے دورے پر آیا اور لاہور سے گزر کر چار بار کشمیر اور کابل گیا۔ اس نے پنجاب کی تعلیمی ترقی پر خصوصی توجہ دی۔ اس کے دور میں تعلیم بالکل مفت تھی۔ طلبا کا طعام و قیام اور دیگر ضروریات کی ذمہ داری مدرسے پر عائد تھی۔ طلبا نہ صرف شوق سے پڑھتے بلکہ اپنا علم دوسرے لوگوں تک پہنچاتے۔ امراء کا طبقہ بھی علم و ہنر کا قدردان تھا۔ وہ حسب توفیق تعلیم پر خرچ کرتے تھے اور اسے دنیا و آخرت کی فلاح کا ضامن قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی گاؤں، کوئی قریہ، کوئی محلہ اور کوئی گلی ایسی نہ تھی جہاں تعلیم و تدریس کے لیے کوئی مدرسہ اور ادارہ موجود نہ ہو۔ خاص طور پر جون پور، الہٰ آباد اور دوسرے مشرقی صوبوں میں تعلیم و تدریس کا دور دورہ تھا جس کی بناء پر شاہجہاں کہا کرتا تھا کہ "پورب شیر از ماست" شاہجہاں عہد میں کوئی بھی قصبہ تعلیمی لحاظ سے خالی نہ تھا۔ بستی، بستی، قریہ قریہ علم و ہنر کی روشنی سے منور تھے۔ عہد شاہجہانی کے معروف مؤرخ محمد صادق اس ضمن میں لکھتے ہیں: اس وقت شاہجہانی دور میں ہر گاؤں میں ایک مدرسہ موجود تھا۔ کوئی قصبہ تعلیمی چرچے سے خالی نہ تھا۔[48] اس دور میں تمام مدرسے آزاد تھے اور ان میں سے اکثر مقامی اوقاف اور نیک دل لوگوں کی سخاوت پر چلتے تھے۔ عہد شاہجہانی میں تعلیمی سرگرمیاں بہت اعلیٰ و عمدہ تھیں۔ جیسا کہ مولانا آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

> عہد شاہجہانی میں پانچ پانچ دس دس کوس پر شرفاء کی آبادیاں تھیں جنہیں سلاطین وقت سے وظائف اور زمینیں مدد معاش کے طور پر ملی ہوئیں تھیں۔ اس زمانے کے مدرسوں نے ہر جگہ طالب علموں کے لیے علم کے دروازے کھول دیے تھے اور ان کا نعرہ تھا کہ علم طلب کرنے والو ادھر آؤ۔ علم کے طالب علم گروہ در گروہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے۔ ہر آبادی کے صاحب توفیق لوگ طالب علموں کو اپنے ہاں ٹھہراتے اور اس جماعت کی خدمت کو سعادت عظمیٰ خیال کرتے۔[49]

مدارس لاہور

شاہجہانی دور میں لاہور میں کثیر تعداد میں مدارس موجود تھے۔ ان میں سے مدرسہ مائی لاڈو، درس میاں وڈا، مدرسہ تیلی واڑہ، مدرسہ میانی صاحب، مدرسہ خیر گڑھ، مدرسہ ابوالحسن خان تربتی، مدرسہ شیخ بہلول، مدرسہ ملا فاضل قادری، مدرسہ ملا خواجہ بہاری، مدرسہ شیخ جان محمد شہروردی، مدرسہ فرید خان خاص طور پر مشہور ہیں۔

48- علم الدین سالک، **لاہور کے علمائے کرام، دینی مدرسے** (نقوش کا خصوصی شمارہ "نقوش لاہور نمبر" فروری ۱۹۶۲ء)، ۴۹۲۔

49 - آزاد بلگرامی، **مآثر الاکرام** (لاہور: مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ، ۱۹۷۱)، ۲۲۱۔

آگرہ کی جامع مسجد

آگرہ کی جامع مسجد شاہجہاں کی بڑی لڑکی جہاں آرا بیگم کی یادگار ہے۔ بیگم نے اسی کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اور شاید کسی نہ کسی صورت میں اب تک قائم ہے۔ مسجد کے گرداگرد دکانوں کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف تھی۔ آگرہ میں مدارس کی جو کثرت تھی، اس کا پتا آج بھی محلوں کے نام قدیم عمارات اور زبانی مشہور عام روایتوں سے چل سکتا ہے۔

اس دور حکومت میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۴ء میں سیالکوٹ میں ایک مسجد اور مدرسہ تعمیر کرایا۔ برصغیر پاک وہند میں اس مدرسے نے بہت شہرت پائی۔ اس مدرسہ میں نہ صرف سیالکوٹ کے نادار طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ بیرون علاقہ جات سے بھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ مستحق اور نادار طلبا کو کپڑے، کتابیں اور کھانا دارالاقامہ سے ملتا تھا۔

دور شاہجہانی میں علماو مشائخ اور فقہائے عظام

دور شاہجہانی میں متعدد علما و مشائخ اور فقہائے عظام ہندوستان میں رونق افروز تھے۔ عہد شاہجہان کے مشہور مدارس میں بڑے بڑے نامور علما طلبا کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ ان علما میں چند علما کے نام یہ ہیں: علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، شیخ جان اللہ، شیخ عبدالکریم چشتی لاہوری، شیخ جان محمد لاہوری، محمد صدیق لاہوری، امام گاموں، مولانا محمد فاضل بدخشی، ملا عبدالسلام، مولانا عبدالطیف سلطان پوری، ملا یعقوب لاہوری، نواب سعد اللہ خان، حاجی محمد سعید اور ملا عصمت اللہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شاہجہان کے وزرا میں بھی جید علما شامل تھے جن میں ایک علامی محمد افضل تھے جو معقولات و منقولات کے جید عالم تھے۔ معاملات سلطنت میں بھی ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ شاہجہان ان پر بہت اعتماد کرتا تھا اور وہ فطانت و فراست میں یگانۂ روزگار تھے۔ ان کے بعد سعد اللہ خان چنیوٹی کو اس اعلیٰ منصب پر فائز کیا گیا۔ برصغیر پاک وہند کے وسیع العلم بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ معقولات و منقولات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ برصغیر پاک وہند کے اس جید عالم نے اپنے علوم و معارف کی روشنی سے طلبا کے ذہنوں کو منور کیا۔ یہ پاک وہند کے آسمان علم وفضل کے درخشاں ستارے تھے۔ انہوں نے عہد شاہجہانی میں شہرت و ناموری کی منزلیں طے کیں۔ ان کی تصنیفات کو عالم اسلام میں بہت قدر و منزلت حاصل ہوئی۔ پورے چار سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کی عظمت و فضیلت کا علم دنیا میں لہرا رہا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس عہد میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی قدر و منزلت میں بے پناہ

اضافہ ہوا۔ یہ اپنے زمانے کے واحد عالم دین تھے جنہیں بادشاہ کی جانب سے ایک لاکھ روپے سالانہ ملتے تھے۔ مولانا عبدالحکیم کی رفعت شان اور منفرد مقام کے بارے میں مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

ملاعبدالحکیم سیالکوٹی علامہ زمان سرآمد اقران خود[50] (ملاعبدالحکیم سیالکوٹی علامہ عصر اور اپنے معاصرین میں سب سے فائق تر تھے)۔

آپ نے بادشاہ کے حکم سے لاہور میں درس قرآن دینا شروع کیا۔ علمائے ہند آپ کے فیصلے کو مانتے تھے اور بادشاہ وقت شرعی احکام میں آپ کا فتویٰ ہی قبول کرتے تھے۔ آپ نے سید عبدالقادر جیلانی کی مشہور کتاب **"غنیۃ الطالبین"** کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔[51] مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ۱۶ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ / ۲۳ دسمبر ۱۶۵۶ء کو وفات پائی اور سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔[52]

وفات

شاہجہاں کو اکتیس سال حکومت کرنے کے بعد شعبان کی آخری تاریخ ۱۰۲۸ھ / ۲۲ مئی ۱۶۵۸ء کو تخت فرماں روائی سے الگ کیا گیا۔ معزولی سے آٹھ سال بعد اس نے سوموار کے دن ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ / ۲۳ جنوری ۱۶۶۶ وفات پائی۔ اس کی زندگی کے یہ آخری آٹھ سال تلاوت قرآن مجید، وظائف اور بعض جید علمائے کرام کی صحبت میں گزرے۔[53]

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

مغلیہ دور کے چھٹے حکمران ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اتوار کی رات ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ / ۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو 'دوحد' کے مقام پر پیدا ہوئے جو گجرات اور مالوہ کی سرحد پر اجین سے سو میل اور بڑودہ سے ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دادا (جہانگیر) نے "اورنگ زیب" نام رکھا۔ اورنگ زیب شاہجہاں کا تیسرا بیٹا اور اس کے چودہ بچوں میں سے بہ اعتبار ترتیب چھٹا بچہ تھا۔ اس کی والدہ کا نام ارجمند بانو تھا جو آصف جاہ ابو الحسن طہرانی کی بیٹی تھی اور **ممتاز محل** کے عرف سے معروف تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر تصوف و سلوک میں بھی دلچسپی رکھتا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی شیخ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی۔ اور اپنے والد سلطان شاہجہاں کے حکم سے شیخ موصوف کے ساتھ کامل وابستگی اختیار کر لی تھی۔

50- رحمان علی، **تذکرہ علمائے ہند** (لکھنو: مطبع منشی نولکشور، ۱۹۱۲)، ۱۱۰۔

51- مفتی غلام سرور لاہوری، **خزینۃ الاصفیاء**، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور: مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۰)، ۳۴۸۔

52 - رحمان علی، نفس مصدر۔

53 - بھٹی، **فقہائے ہند**، ۲۴۴۔

اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی

شاہجہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب عالمگیر یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ / ۲۳ جولائی ۱۶۵۸ء کو باغ اغر آباد (دہلی) میں جو بعد میں شالامار باغ کہلایا، جمعہ کے دن تخت ہند پر متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر چالیس برس تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکمرانی بہت طویل ہے۔ اس نے قمری حساب سے برصغیر پاک و ہند پر پچاس سال، دو ماہ اور ستائیس دن حکومت کی۔[54]

اورنگ زیب کی صفات

یہ بادشاہ نہایت عاقل و فہیم، مردم شناس، کشور کشا، جرأت مند اور زبردست منتظم تھا۔ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک، انتہائی بردبار اور حلیم الطبع تھا۔ قرآن کی تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم مروجہ کا عالم تھا اور اپنے دور کے علما وفقہاء اور مشائخ وصوفیاء کا بے حد احترام کرتا تھا۔ متبع سنت اور حامیٔ دین متین تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر خود بہت بڑا عالم اور خطاط تھا۔ علما کی قدر کرتا تھا۔ یہ بادشاہ بہت علم دوست تھا۔ عالمگیر کی تالیف **"فتاویٰ عالمگیری"** اس کی علم دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس کی دینی زندگی کی عکاسی کرنے والی کتاب ہے۔ بادشاہ نے اشاعت تعلیم میں اپنی تمام زندگی صرف کی۔ اس نے مدارس بنوائے اور علما کو مدد معاش دی تاکہ وہ اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے ادا کر سکیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کو مسلم دینی تعلیم اور فقہ اسلامی میں بہت گہری دلچسپی تھی۔ اسی لیے اس کے حکم سے اس کے شاہی کتب خانے میں دینیات، فقہ اسلامی اور دوسرے علوم پر بہت سی اہم کتابیں جمع کی گئیں۔

فتاوی عالمگیری

فتاوی عالمگیری اورنگزیب کے حکم اور کوشش سے معرض تصنیف میں لائی گئی اور پھر اسی کے نام سے منسوب ہوئی۔ اس کو **"فتاویٰ ہندیہ"** کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ محمد ساقی مستعد خان لکھتے ہیں:

> مشہور فتاویٰ عالمگیری جو فقہ اسلامی پر ایک بڑی مستند کتاب ہے۔ آج مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے اس کا وجود ناگزیر ہے۔ اس شاہی کتب خانے میں موجود ہے۔[55]

فتاویٰ عالمگیری فقہ حنفی کی ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے۔ اس میں بیان کردہ مسائل فقہ حنفی کی رو سے راجح ہیں یا ظاہر الروایت کے ہیں۔[56]

54۔ نفس مصدر، ۵۳۵۔

55 ۔ محمد ساقی مستعد خان، **ماثر عالمگیری** (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۴۵)، ۵۳۔

فتاویٰ عالمگیری کی فقہی اہمیت

فتاویٰ عالمگیری کی فقہی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے اور اس کے مآخذ و مراجع فقہ حنفیہ میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ اورنگ زیب نے بے شمار دارالعلوم اور ان گنت مدارس قائم کیے۔ جیسا کہ مسٹر کین نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے تعمیر کردہ مدارس اور دارالعلوم کے بارے میں لکھا ہے:

اورنگ زیب نے بے شمار دارالعلوم اور مدارس قائم کیے تھے۔[57]

برصغیر پاک وہند میں اکبری دور میں شروع ہونے والا تیسرا تعلیمی دور اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت کے ابتدائی سالوں ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء تک جاری رہا جس میں منطق اور فلسفہ کا بہت چرچا رہا۔ مگر اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں جو تعلیمی انقلاب آیا وہ اسلامی مدارس میں درس نظامی کے نام سے ایک نئے نصاب تعلیم کا لاگو ہونا تھا۔ اس نئے نصاب کے رائج ہونے کے بعد برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں چوتھے تعلیمی دور کا آغاز ہو گیا۔

درس نظامی کا نصاب

درس نظامی کے نصابات کو وضع کرنے والے مولانا نظام الدین انصاری سہالوی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء لکھنو کے نواح میں واقع موضع سہالی (حال واقع بنگلہ دیش) کے رہنے والے تھے اور ہندوستان کے اس وقت کے معروف عالم مولانا قطب الدین عبد العلیم انصاری سہالوی کے فرزند ارجمند تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کے خاندان کو فرنگی محل لکھنو میں ایک عالی شان محل عطا کیا تو اس طرح آپ لکھنو میں منتقل ہو گئے۔ آپ نے لکھنو میں مستقل سکونت اختیار کی اور اپنے والد کی مسند تدریس کو سنبھالا۔ درس نظامی کے نصابات وضع کر کے رائج کیے اور ہندوستانی علما میں نمایاں مقام کے حامل ہو گئے۔ یہ نصاب انہی کے نام کی مناسبت سے "درس نظامی" کے نام سے موسوم ہوا۔ بہت جلد برصغیر کے اسلامی مدارس میں اس نصاب کو قبول کر لیا گیا۔ اس نصاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی یہ نصاب تعلیم معمولی رد و بدل کے بعد آج تک برصغیر پاک وہند کے جملہ اسلامی مدارس میں رائج ہے۔ درس نظامی کے نصابات کے مختلف شعبوں میں درج ذیل نصابی کتب شامل تھیں:

علم صرف: میزان، منشعب، پنج گنج، زبدہ، صرف میر، فصول اکبری اور شافیہ۔

---

[56] - محمد اسحاق بھٹی، **برصغیر میں علم فقہ** (لاہور: کتاب سرائے بیت الحکمت، ۲۰۰۹)، ۲۷۵-۲۷۶۔

57- Jaffar, S. M., 23.

علم نحو: نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح کافیہ از ملا جامی تابحث حال۔

علم بلاغت: مختصر المعانی، مطول تا بحث ما انا قلت۔

علم منطق: صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، تصدیقات مع میر، سلم العلوم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال۔

فلسفہ وحکمت: شرح ہدایۃ الحکمۃ از میبدی، شرح ہدایۃ الحکمت از ملا صدر شیر ازی تا بحث مکان، الشمس البازغۃ از ملا جون پوری۔

ریاضی: خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس کا مقالہ اولیٰ، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمینی کا پہلا باب۔

اصول فقہ: نور الانوار، توضیح التلویح تا مقدمات اربع، مسلم الثبوت تا مبادی کلامیہ۔

فقہ: شرح وقایہ کا نصف اول اور ہدایہ کا نصف ثانی۔

علم کلام: شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی کا پہلا حصہ، میر زاہد، شرح مواقف (بحث امور عامہ)۔

علم تفسیر: جلالین، بیضاوی ابتدا تا آخر سورۃ بقرہ۔

علم حدیث: مشکوۃ المصابیح ابتدا تا کتاب الجمعہ۔

علم مناظرہ: رسالہ رشیدیہ۔[58]

ملا سہالوی نے اپنے تجویز کردہ نصاب کو ابتدائی طور پر مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنو میں نافذ کیا۔ مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنو کو برصغیر کی عظیم اور قدیم درسگاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس مدرسے کی عظمت کی بڑی وجہ بھی اس کا نصاب ہے جو ملا نظام الدین نے خود مرتب و مدون کیا ہے۔ یہ نصاب علمائے وقت نے جلد قبول کر لیا اور برصغیر پاک و ہند کے تعلیمی اداروں اور درسگاہوں میں رائج ہوا۔ یہ نصاب اتنا مقبول ہوا کہ اس کے اثرات آج بھی باقی ہیں۔ یہی نصاب برصغیر پاک وہند کی قریباً ہر اسلامی درسگاہ میں رائج ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گذشتہ دو صدیوں میں علمائے کرام نے اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے اس سلسلہ نصابات میں کئی تبدیلیاں کیں۔ غالباً سب سے پہلے تبدیلی لانے کا خیال مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنو کے شیخ مولانا محمد

58۔ بختیار حسین صدیقی، **برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۲)، ۲۲۔

قطب الدین کو ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بعض کتب اور مضامین میں ردوبدل کیا۔ اس کے بعد مولانا عبد الحق محدث دہلوی اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ اسی طرح علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابو المحاسن سجادیہ، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور متعدد علما کرام نے ان نصابات کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔[59] چنانچہ یہی درس نظامی کے نصابات اب معمولی ردوبدل کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اور بلا تخصیص مسالک پاکستان و ہند کے جملہ مدارس عربیہ اسلامیہ میں تاحال جاری ہیں۔ البتہ مختلف مسالک کے مدارس میں فقہ وعقائد اور تفسیر و حدیث کی کتب ان کے اپنے اپنے مسالک کے مطابق پڑھائی جاتی ہیں۔

خلاصہ بحث

درج بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں مغلیہ دور حکومت میں علمی، ادبی اور دینی تعلیم کے رجحانات غالب رہے۔ مسلم علما کرام نے اپنی تمام تر توجہ تفسیر، حدیث، فقہ اور عقلی علوم وفنون کی تعلیم پر مرکوز رکھی۔

1. مسلمانوں کا نظام تعلیم دین اسلام کی روحانی واخلاقی تعلیمات پر مبنی تھا۔
2. تمام مسلم حکمرانوں نے علوم وفنون کی ترقی میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ وہ علما کے قدردان تھے اور ان کے دربار علما وفضلا سے پُر رہتے تھے۔
3. ان کے عہود میں طلبا کو مفت تعلیم فراہم کی جاتی تھی اور ان کی مالی اعانت کا بھی انتظام تھا۔
4. تعلیمی ادارے بنیادی طور پر مذہبی نوعیت کے حامل تھے۔ مساجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کے ساتھ طلبا کے درس قرآن کا بھی انتظام تھا۔ مساجد سے ملحق مدارس قائم کیے جاتے تھے۔ ان کی آمدنی اور طلبا کے وظائف کے لیے بڑے بڑے دیہات وقف تھے۔ ہر بڑا شہر علم کا گہوارہ تھا۔
5. ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت میں علم وفن، خطاطی، مصوری، موسیقی، فن تعمیر، شعر وادب نیز مذہبی اور دینی ادب اپنے عروج کو پہنچ گیا۔
6. اس دور میں بہترین صاحب علم وفن، سپہ سالار، مدبر ومنتظم، ماہر تعمیرات وسرپرست علم وفن بادشاہ ہوئے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اشاعت تعلیم کے لیے حکومت کی سرپرستی میں کمی واقع ہو گئی تھی، اس کے باوجود اس دور میں بھی بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے۔ یعنی اوسطاً ہر چالیس ہزار افراد کے لیے ایک مدرسہ موجود تھا۔
7. مسلم حکمرانوں کی علم کی سرپرستی کا اثر عام افراد نے بھی قبول کیا اور انہوں نے ذاتی طور پر مدرسے قائم کیے جن میں "مدرسہ غازی الدین" بھی شامل ہے۔ یہ مدرسہ غازی الدین نامی ایک شخص نے اپنی زندگی میں دہلی

---

[59] - حافظ نذر محمد، **جائزہ مدارس عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان** (لائل پور: جامعہ چشتیہ ٹرسٹ، ۱۹۶۰)، ص ۶۷۔

میں اجمیری گیٹ کے قریب تعمیر کیا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد، مقبرہ اور ان سب کے انچارج کی رہائش گاہ بھی تھی۔

8. عالمگیر کے دور میں بھی اکرم الدین نامی ایک شخص نے احمد آباد میں ۱۶۹۷ء میں ایک سو چوبیں ہزار روپے کی لاگت سے ایک مدرسہ قائم کیا جس کو چلانے کے لیے اسے شہنشاہ کی طرف سے دو گاؤں دیے گئے۔

9. برصغیر پاک و ہند میں تعلیم کا حصول ہر مسلمان، امیر، غریب، بچے، بوڑھے، مرد و خواتین کے لیے آسان ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام تھا۔ اور دینی تعلیم کے ساتھ ان قائم کردہ مدارس میں زراعت اور اکاؤنٹس کی خصوصی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

10. دنیاوی علوم کی تعلیم میں قانون، طبعیات، فلسفہ، زراعت، معاشیات اور تاریخ کے مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔

سفارشات:

ہمارے تحقیقی مقالہ کا ایک مقصد موجودہ پاکستانی نظام تعلیم کا جائزہ لینا اور اس کی بہتری کے لیے سفارشات پیش کرنا ہے۔ کسی بھی قوم کی ترقی میں اس کے نظام تعلیم کا کردار اہم ہوتا ہے۔ پاکستان کی کل آبادی کا صرف ۵۸ فیصد حصہ خواندہ ہے جو کہ کافی کم ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہمارا نظام تعلیم ہے جو کہ لارڈ میکالے کے دیے ہوئے اصولوں پر مبنی ہے۔ اس نظام تعلیم کو دینی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

1. نصاب تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ ایسا مواد نصاب میں شامل کیا جائے جو اسے دوسری تہذیبوں سے متاثر کرنے کی بجائے اپنے مذہب اور تہذیب سے لگاؤ پیدا کرے۔

2. اسلامیات لازمی میں تھیوری کم ہونی چاہیے۔ اس کی بجائے اسلامی قصے، انبیا کرامؑ، صحابہ کرامؓ کی زندگیوں اور اسلامی تاریخ سے دوسرے واقعات بچوں کو زبانی سنائے جائیں تاکہ ان کے اندر اسلام اور اسلامی تاریخ سے محبت اور لگاؤ پیدا ہو۔

3. سائنس، معاشیات، سیاسیات اور دوسرے مضامین کو بھی اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ وہ طلبا کو لادینیت اور مادیت جیسے تصورات سکھانے کے بجائے خدا اور اسلام کے قریب لائیں۔

4. اہم غیر نصابی سرگرمیاں بھی اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کی جائیں۔ غیر اسلامی سرگرمیوں اور مشاغل سے اجتناب کیا جائے۔

5. موجودہ نظام تعلیم کے برعکس استاد کو ایک تنخواہ دار ملازم نہیں بلکہ روحانی باپ کی حیثیت دی جائے۔

6. استاد کا انتخاب ان کی تعلیمی قابلیت کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی حالت کو دیکھ کر کیا جائے۔

7. تین ماہ کے طریقہ امتحان کے باعث طلبا پر امتحانات کا نفسیاتی دباؤ کم ہو گا، وہ محض رٹا لگا کر یاد کرنے کی بجائے سمجھ کر پڑھ سکیں گے۔ اس طرح ان کی قابلیت بڑھے گی۔ اس کے علاوہ ہر مضمون کے زیادہ سے زیادہ سوالات معروضی نوعیت کے ہونے چاہئیں تاکہ مکمل نصاب سے انصاف ہو سکے۔

Bibliography

1. *ʿAbd Al-Qadir Badiwānī, Muntakhab Al-Tawārīkh, Translated By ʿAbd Ḥaiī ʿAlvī, Lāhor, Sheikh Ghulām ʿAli & Sons.*
2. *ʿAbd Al-Rashīd Arshad, Pākistān Min Tʿalīm Ka Irtiqā, Lāhor, Educational Research Institute, 1995.*
3. *ʿAbd Ḥaiī Ḥasanī Laknhowī, Nuzhah Al-Khawāṭir, Vol.5, Ḥydar Ābād, Dāirah Al-Māirif Al-ʿUsmānīah, 1955.*
4. *Abū Al-Faḍal, Āīn-E-Akbarī, Translated by Mulvī Fidā ʿAlī, Lāhor, Sang Mīl Publications, 1975.*
5. *Al-Qurān.*
6. *Amīn Aḥmad Rāzī, Hafat Wa Iqlīm, Kalkatah, Rāil Aisīātik Society Of Bangāl, 1939.*
7. *Āzād Balgrāmī, Mulānā, Māthir Al-Ikrām, Lāhor: Maktab Akhīā ʿUlūm Al-Sharqīah, 1971.*
8. *Bukhtyār Ḥusain Sadīqī, Bar-E-Ṣaghīr Pāk-O-Hind Ki Qadīm ʿArbī Madāris Kā Niẓām-E-TʿAlīm, Lāhor, Idārah-E-Thaqafāt-E-Islamīah, 1982.*
9. *Dārih-E-Shikwah, Safīnat Al-Āwlīyā, Without Publisher, 1876.*
10. *Ibni Mājah, Muḥammad Bin Yazīd, Sunan Ibni Mājah, Dār Akhyā Al-Turath Al-Arbī, Beirūt.*
11. *S M JʿAfar, TʿAlīm Hindustān K ʿAhad-E-Ḥakūmat Mn, Lāhor, Maktabah ʿAlīah, 1987.*
12. *Jamīl Yūsaf, Bābar Se Zafar Tak Kā Safar, Islāmabād, Kitāb Ghar, 1989.*
13. *Law, N.N. Promotion Of Learning In Muslim India. London, Oxford Press, 1916.*
14. *Maqbūl Aḥmad, ʿIlamī Asāsīyāt ʿIlam Al-TʿAlīm, ʿIlmī Kitāb Khānah, Lāhor,2015.*
15. *Mulānā Abū Al-Ḥasnāt Nadvī, Hindustān Kī ʿAzīm Qadīmī Islamī Darasgāhin, Amar Tasar, Eletrik Press, 1992.*
16. *Mulvī Reḥmān ʿAlī, Tadhkirah ʿUlāmā-E-Hind, Laknaū, Maṭbʿ Manshī Nolakishwar, 1912.*
17. *Muftī Ghulām Sarwar Lāhori, Khazīnah Al-Aṣfīā, Translated By Pīrzādah Iqbāl Aḥmad Farūqī, Lāhor, Maktabah-E-Nabawīyyah, 1990.*

18. Muftī Ghulām Sarwar Lāhori, Khazīnah Al-Aṣfiā, Laknaū, Maṭb῾ Nāmī Grāmī Pindat Bījnāt Al-Masūm Bi Hī Thamarhind.
19. Muḥammad Iqbāl, Qārī, Professor, Muqālāt-E-Islamīah, Faisalābād, Anjuman Nojawānān-E-Islām (Registered), 2005.
20. Muḥammad Isḥāq Bahathī, Bar-E-Saghīr Mn ῾Ilam-E-Fiqah, Lāhor, Kitāb Sarā-E-Bait Al-Ḥikmat, 2009.
21. Muḥammad Isḥāq Bahathī, Fuqh-E-Hind, Lāhor, Kitāb Sari, 2013.
22. Muḥammad Qāsim Farishtah, Tārīkh Farishtah, Volume 2, Translated By ῾Abd Al- Ḥaī Khāwājah, Lāhor, Al-Mīzān Nāshirūn Wa Tājirān Kutub.
23. Muḥammad Sāqī Must῾Ad Khān, Māisir Ālimgīrī, Lāhor, Sang Mīl Publications, 1945.
24. Nadhar Muḥammad, Hāfiz, Jāizah-E- Madāris ῾Arabīah Islāmīah Maghrabī Pākistān, Lāilpūr, Jami῾Ah Chishtīah Trust, 1920.
25. Nūr Al-Dīn Jahāngīr, Tazak-E-Jahāngīr, Translated By Mulvī Aḥmad ῾Alī Rāmpūrī, Sang Mīl Publications, 2004.
26. Nūr Al-Dīn Jahāngīr, Tazak-E-Jahāngīr, Laknaū, Maṭba῾ Nāmī Manshī Nol Kashūr, 1914.
27. Oxford Advanced Learner's Dictionary, 8th Ed., S.V. ''Education".
28. Ṣafdar Ḥayāt Ṣafdar Wa Ghulām Jilānī Makhdūm, Islāmī Hind K Muslim Ḥukamrānon K Tahdhībī Owar Siyāsī Kārnamy, Lāhor: New Book Pulas, 1989.
29. Sālik, Lāhor K ῾Ulāmā-E-Karām, Dīnī Madrasay Se, Lāhor, Naqūsh, Without Publisher.
30. Shukat ῾Alī Fahmī, Hindstān Mn Islāmī Ḥakūmat, Lāhor, Jahān ῾Ilam-O-Adab.
31. Sheikh Muḥammad Ikrām, Moj-E-Kusar, Lāhor, Idārah Thafāqat Islāmīah,1975.
32. Sheikh Muḥammad Ikrām, Rod-E-Kusar, Lāhor, Idārah Thafāqat Islāmīah, 1990.
33. Shiblī N῾Umānī, Mulānā, She῾R Al-῾Ajam, Islāmabād, National Book Foundation, 1992.
34. Sīed Ṣabāh Al-Dīn Abd Al-Reḥmān, Musalmān Ḥukamrānon K ῾Ahad K Tammaddunī Jalway, (῾Aẓam Garh (Up): Dār Al-Muṣaniafīn Shiblī Academy, 2009.